تحقیق

تحقیق کا مطلب ہے حقائق کی تلاش اور چھان پھٹک۔ محقق شعر و ادب کے ان گوشوں سے ہمیں واقف کراتا ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ ادبی تحقیق میں عام طور پر ان شاعروں، ادیبوں یا کتابوں اور ان سے متعلق ادوار اور علاقوں کو موضوع بنایا جاتا ہے جن کے بارے میں معلومات کا فقدان ہے۔ تحقیق کے ذریعے اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ نامعلوم حقائق دریافت کیے جائیں اور معلوم حقائق کی جانچ پرکھ کر کے غلطیوں کی تصحیح کی جائے۔ محقق کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مطالعہ و مشاہدہ وسیع ہو، زبان پر عبور ہو، محتاط رویّے کا مالک ہو، ذہن تجزیاتی ہو اور اس میں نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ ان خوبیوں کے ساتھ اس میں ایمانداری، معروضیت اور غیر جانبداری کی خصوصیات کا ہونا بھی ضروری ہے۔

تحقیق اور تنقید میں نہایت گہرا رشتہ ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ تنقیدی صلاحیت کے بغیر محقق ادھورا ہے اور تحقیقی وصف کے بغیر نقاد نامکمل۔ کسی ادیب، شاعر یا ادبی تخلیق کے بارے میں تحقیق کرنے سے قبل یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کی اہمیت کیا ہے، اس پر تحقیق کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اس پر تحقیق ادب میں کسی اضافے کا موجب بن سکتی ہے یا نہیں۔

اردو میں ابتدا میں تحقیق پر توجہ نہیں دی گئی۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اسے فروغ حاصل ہوا اور کئی اعلیٰ پائے کے محققین منظرعام پر آئے۔ اردو میں تحقیق کے ابتدائی اشارے میر تقی میر کے تذکرے ''نکات الشعرا'' میں ملتے ہیں۔ سرسید احمد خاں کی ''آثار الصنادید'' ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے جس میں انھوں نے دہلی کی تمام تاریخی عمارتوں کی تاریخ پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مستقل باب میں دہلی کے مشاہیر کا تذکرہ کیا ہے۔ تحقیق کے ضمن میں گارساں دتاسی کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے ''تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی'' تحریر کی۔ اشپرنگر کی مرتب کردہ شاہان اودھ کے کتب خانے کی فہرست 1850 میں شائع ہوئی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی تصنیف 'آبِ حیات' میں ادبی و لسانی تحقیق پر توجہ دی۔ اردو میں تحقیق کا باقاعدہ آغاز حافظ محمود شیرانی سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد دیگر افراد نے بھی اس جانب توجہ دی۔ مولوی عبدالحق، محی الدین قادری زور، نصیرالدین ہاشمی، مسعود حسن رضوی ادیب، امتیاز علی خاں عرشی، قاضی عبدالودود، مالک رام، رشید حسن خاں، نورالحسن ہاشمی، مختارالدین آرزو، مسعود حسین خاں، گیان چند جین، ابو محمد سحر، عبدالقوی دسنوی، تنویر احمد علوی اور حنیف نقوی کا شمار اردو کے اہم محققین میں ہوتا ہے۔

تبصرہ نگاری

تبصرہ کسی کتاب کے اہم یا غیر اہم ہونے سے متعلق ناقد یا مبصّر کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔ عموماً ان خیالات کی شائع شدہ شکل ہی کو تبصرہ تصور کیا جاتا ہے۔ تبصرہ باقاعدہ تنقیدی مضمون نہیں ہوتا مگر تنقیدی آرا کے بغیر اسے مکمل بھی نہیں سمجھا جاتا۔ تبصرے کا مقصد شائع ہونے والی کتاب اور اس کے مصنف کا اختصار کے ساتھ فوری تعارف ہوتا ہے تاکہ قارئین کو کتاب کے مطالعے کی ترغیب ملے۔ مصنف اور تصنیف دونوں کا تعارف، عصری ادب سے ان کا رشتہ، تصنیف کی ظاہری بناوٹ، اس کی قیمت اور مقامِ اشاعت وغیرہ کا ذکر تبصرہ نگاری کے لوازم ہیں۔

حاؔلی، مرزا رسوؔا، مولوی عبدالحق، چکبست، عبدالحلیم شرر، مہدی افادی، شبلی نعمانی، عبدالماجد دریابادی، اثر لکھنوی اور وحیدالدین سلیم کے تبصرے تنقیدی دیانت داری اور ادبی اہمیت کے حامل ہیں۔ بعد کے لکھنے والوں میں فراق گورکھپوری، فیض احمد فیض، مجنوں گورکھپوری، سردار جعفری، عزیز احمد، آلِ احمد سرور اور ماہرالقادری وغیرہ کے تبصرے مخصوص ادبی رجحانات کے تحت لکھے گئے ہیں۔ عصری ادب کے مبصرین میں اسلوب احمد انصاری، شمس الرحمٰن فاروقی، ظ۔ انصاری، شمیم حنفی، وزیر آغا، کلام حیدری، محمد حسن، قمر رئیس اور خلیق انجم وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ اسلوب احمد انصاری کی کتاب 'ادبی تبصرے'، فاروقی کے تبصرے، (شمس الرحمٰن فاروقی)، 'کتاب شناسی' (ظ۔ انصاری)، 'برملا' (کلام حیدری) وغیرہ تبصرہ نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔

ترجمہ

کسی تحریر، تخلیق، تصنیف یا کسی متن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں۔ ترجمہ رنگ و نسل، زبان و مذہب اور جغرافیائی سرحدوں اور سیاسی اختلافات کی باوجود ایک دوسرے کے لیے اجنبی انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ اس طرح دوسری زبانوں کے ادب اور افکار و علوم سے آگہی حاصل ہو جاتی ہے۔

ترجمہ ایک مشکل فن ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اور جس میں ترجمہ ہو رہا ہے، مترجم کو دونوں زبانوں پر قدرت حاصل ہو۔ ترجمے کے یہ محرکات قابلِ ذکر ہیں۔

- مذہبی ضرورت اور تقاضے
- ترقی یافتہ اقوام کی تہذیب، علوم و فنون اور ادبیات سے آگاہی کی خواہش
- زبان و ادب کی ترقی و توسیع
- اقتصادی، معاشی، سیاسی اور صحافتی ضروریات

ترجمہ کے مختلف طریقے ہیں۔ لفظی ترجمہ، آزاد ترجمہ، تخلیقی ترجمہ وغیرہ۔

اردو کے ابتدائی عہد میں فارسی، عربی اور سنسکرت سے اردو میں ترجمے کیے گئے۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں اردو نثر و نظم میں ترجمے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج اور دلّی کالج سے ترجموں کو مزید فروغ حاصل ہوا۔

1903 میں انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا جس کے تحت یوروپین زبانوں، عربی فارسی اور سنسکرت سے کئی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ 1921 میں وحیدالدین سلیم نے 'وضعِ اصطلاحات' نام کی کتاب لکھی جو ترجمے کے سلسلے میں بڑی معاون ثابت ہوئی۔ دارالترجمہ عثمانیہ، حیدرآباد کے تحت مختلف درجات کی تقریباً ساڑھے چار سو کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں۔ آزادی کے بعد مرکزی حکومت کے قائم کردہ اداروں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی ساہتیہ اکادمی اور نیشنل بک ٹرسٹ، دہلی وغیرہ نے بھی بہت سی کتابوں کے ترجمے کرائے اور مختلف علوم کی اصطلاحیں بھی تیار کیں۔

مرکزی حکومت نے تعلیم، تحقیق اور تربیت کے لیے یکم ستمبر 1961ء کو این سی ای آر ٹی (NCERT) نام کا ادارہ قائم کیا ہے۔ اس ادارے نے اسکولی سطح پر تمام مضامین کی نصابی کتابوں کے اردو میں تراجم بھی کرائے۔ یہ وہ واحد ادارہ ہے جو قومی سطح پر اردو میڈیم اسکولوں کے لیے ہندی/ انگریزی میں لکھی گئی درسی کتب کو اردو قالب میں پیش کرتا ہے۔

ادبی تاریخ

ادبی تاریخ، تاریخ بھی ہے اور ادب بھی۔ ادبی تاریخ نگاری میں تاریخی اور ادبی دونوں اصولوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ادبی حقیقت اور تاریخی حقیقت میں فرق ہے۔ ادب کی بنیاد جذبہ و تخیل پر ہے۔ جب کہ تاریخ ٹھوس حقائق پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے تاریخ کی حیثیت ایک علم کی ہے اور ادبی تاریخ کی حیثیت ایک ادبی دستاویز کی ہے۔ لیکن تحقیق و تلاش کے جو تقاضے تاریخ کے ساتھ مخصوص ہیں، اُنھی تقاضوں کو ادبی تاریخ کی تیاری کے دوران مدِّنظر رکھا جاتا ہے۔

ادبی تاریخ، تاریخ نگاری کے اصولوں کی رہ نمائی میں تیار ہوتی ہے۔ لیکن ادبی تاریخ صرف تواریخ کی کھتونی نہیں ہوتی اس میں درجہ بندی سے بھی کام لیا جاتا ہے اور وہ تنقید کے عمل سے بھی گزرتی ہے۔ ضرورت کے مطابق تقابل کو بھی بنیاد بناتی ہے۔ چوں کہ اس کا موضوع ادب ہوتا ہے۔ اس لیے ادب کی تاریخ کی زبان میں علمیت کے ساتھ ادبیت کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔

ادبی تاریخ کیا، کیسے اور کیوں کا جواب دیتی ہے یعنی کیا لکھا گیا اور ایسا کیوں کر لکھا گیا۔ ایک خاص قسم کے اسلوب، رجحان، موضوع کی تکرار اور تحریک کے پیچھے کون سے محرکات کام کرتے ہیں۔ ایک ہی دور میں مختلف شعرا کے اسالیب اور اظہار کے طریقوں میں فرق کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اور اِن کی کیا وجوہ ہوسکتی ہیں؛ ادبی مؤرخ ان سوالوں کے جواب فراہم کرتا ہے۔

ادبی مورّخ عہد بہ عہد ادب کا جائزہ لیتا ہے اور ان کے مابین امتیاز کی نوعیت کو واضح کرتا ہے۔ وہ کسی فن پارے کو کم زور یا غیر معیاری قرار دے کر رَد نہیں کرتا بلکہ وہ غیر معیاری فن پارے میں بھی اس عہد کے طرزِ فکر اور جاری رجحان کو دکھانے کی سعی کرتا ہے۔ ادبی مورخ کو ہمیشہ معروضی اور غیر جانبدار ہونا چاہیے۔

ادبی تاریخ کا پہلا سراغ تذکروں میں ملتا ہے جو تکنیکی طور پر مکمل ادبی تاریخ نہیں تھے۔ لیکن بعض تذکروں میں تاریخ کے کچھ نقوش ضرور ملتے ہیں۔

محمد حسین آزاد کی ’آبِ حیات‘ اور عبدالحئی کی ’گلِ رعنا‘ ادبی تاریخ کے ابتدائی نمونے ہیں۔ پھر دکنی ادب کی تاریخیں سامنے آئیں جیسے شمس اللہ قادری کی ’تاریخِ اردوئے قدیم‘ اور نصیر الدین ہاشمی کی ’دکن میں اردو‘۔ ان میں

کسی حد تک ادبی تاریخ کے اصولوں کی پیروی کی گئی ہے۔ اردو میں نثری ادب کی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں جیسے محمد یحییٰ تنہا کی 'سیر المصنفین' احسن مارہروی کی 'تاریخِ نثر اردو' اور حامد حسن قادری کی 'داستانِ تاریخ اردو'۔

اردو ادب کی تاریخ کے سلسلے میں عبدالسلام ندوی کی 'شعر الہند' اور رام بابو سکسینہ کی 'تاریخِ ادب اردو' میں تاریخ نگاری کے اصولوں کو برتنے کی اچھی کوشش نظر آتی ہے۔ اعجاز حسین، احتشام حسین، جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری نے اردو میں ادبی تاریخ لکھنے کا ایک معیار قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں گیان چند جین، سلیم اختر، سیدہ جعفر، وہاب اشرفی اور انور سدید کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں۔

مقالہ

مقالہ مضمون کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ مقالے کی ضخامت مضمون سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ گہرائی و گیرائی کا حامل ہوتا ہے۔ اصطلاحی طور پر غیر شخصی اور معلوماتی مضمون کو مقالہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن ہمارے یہاں مضمون کی اصطلاح کو زیادہ رواج ملا ہے۔ سرسید، حالی، شبلی اور محمود شیرانی کے نسبتاً مختصر مضامین کے مجموعوں کو مقالات کا عنوان دیا گیا ہے۔

عام طور پر مقالے کی اصطلاح طویل، سنجیدہ اور مدلّل علمی و تحقیقی تحریروں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ اس کا موضوع ادب ہو یا کچھ اور۔ انفرادی طور پر علمی و تحقیقی کام کرنے والے دانشوروں کی تحریروں کے علاوہ یونیورسٹیوں میں ایم۔اے۔ کے امتحان کے مقالوں، ایم۔فل اور پی۔ ایچ۔ڈی ڈگری کے لیے لکھی جانے والی تحقیقات کو مقالہ کہا جاتا ہے۔ جس سے مقالہ کی بنیادی خصوصیت یعنی مفروضہ قائم کرکے تحقیق کرنا اور سیر حاصل بحث کے بعد نتائج اخذ کرنے پر روشنی پڑتی ہے۔